© rasailojaraid.com



# باب الیاء

## فیہ فصلان الاول فی الاسماء الواقعة فی المنہاج و الروضة

١٢٨٢ ابراہیم بن یوسف ص ٤٩٢

١٢٨٣ محمد بن یحیی ابو سعد النیسابوری (م ٥٤٨ھ) ص ٤٩٣

## الفصل الثانی فی الاسماء المنسوبة علی الکتابین

١٢٨٤ الیمنی، محمد بن محمد بن عبد الرحمن، ابو حامد ص ٤٩٣

١٢٨٥ الیافعی، زید بن عبد الله بن جعفر (م ٥١٤ھ) ص ٤٩٣

١٢٨٦ الیمنی، عبد الله بن عبد الرزاق بن حسن بن زاہر (م ٥٢٨ھ) ص ٤٩٤

١٢٨٧ الیمنی، سالم بن عبد الله بن محمد بن سالم (٤٥١-٥٣٢ھ) ص ٤٩٤

١٢٨٨ الیزدی، علی بن احمد بن الحسین بن احمد ابو الحسن (٤٦٢-٥٥١ھ) ص ٤٩٤

١٢٨٩ الیمنی، عمارة بن علی بن زیدان نجم الدین ابو محمد (٥١٥-٥٦٩ھ) ص ٤٩٥

١٢٩٠ یونس بن محمد، رضی الدین (م ٥٧٦ھ) ص ٤٩٧

١٢٩١ محمد بن یونس، عماد الدین ابو حامد (٥٣٥-٦٠٨ھ) ص ٤٩٧

١٢٩٢ موسی بن یونس، ابو الفتح کمال الدین (٥٥١-٦٣٩ھ) ص ٤٩٨

١٢٩٣ احمد بن کمال الدین (٥٧٥-٦٢٢ھ) ص ٤٩٩

١٢٩٤ محمد بن علی الملقب بالامام بن بنت الرضی یونس (م ٦٢٢ھ) ص ٥٠٠

١٢٩٥ عبد الرحیم بن الامام رضی الدین محمد بن عماد الدین بن یونس، تاج الدین
(٥٩٨-٦٧١ھ) ص ٥٠٠

١٢٩٦ جمال یحیی، یحیی بن عبد المنعم جمال الدین المصری (م ٦٨٠ھ) ص ٥٠١



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فصل فی جماعة أُدخلتهم فی الحرف لكونهم من اهل اليمن وان كان اكثرهم مشهوراً بما يقتضی ادخاله فی غير هذا الحرف فمنهم :-

١٢٩٧ احمد بن سليمان المعروف بالحكمی (م ٧٠٣هـ) ص ٥٠١

١٢٩٨ احمد بن علی ابو العباس المعروف بالحرازی (م ٧١٨هـ) ص ٥٠١

١٢٩٩ ابو بكر بن عمر رضی الدين المعروف بابن الاديب ص ٥٠١

١٣٠٠ احمد بن علی جمال الدين المعروف بالعامری (م ٧٢٥هـ) ص ٥٠١

١٣٠١ احمد بن ابی الخير بن منصور ابو العباس الحضرمی السعدی (م ٧٢٩هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٢ عبد الله بن الاحمر الشجبين (م ٧٣٧هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٣ ابو بكر بن جبرئيل رضی الدين (م ٧٠١هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٤ محمد بن علی بن ابی الخل جمال الدين (م ٧٠١هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٥ محمد بن عيسی بن مطير (م ٧٤٤هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٦ عبد الله بن محمد بن عبد الله الحضرمی (م ٧٤٤هـ) ص ٥٠٢

١٣٠٧ عبد الرحمن بن علی بن سفيان الشريف وجيه الدين (م ٧٤٤هـ) ص ٥٠٣

١٣٠٨ عبد الله بن اسعد عفيف الدين اليمنی المعروف باليافعی (٧٦٨-٧٠٠هـ) ص ٥٠٣

ﭬ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلسلے کے لیے ملاحظہ فرمائیے برہان اگست ۱۹۷۱ء

# کلوروفل اور قرآن

## قرآن اور علم نباتات

(۲)

از جناب مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی، فرقانیہ اکیڈمی چک باناور بنگلور نارتھ

کلوروفل اور مفسرین | اس موقع پر قدماے مفسرین نے لفظ "خضر" کی جو تفسیر کی ہے اس کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ جن کے ملاحظہ سے یہ نظریہ قایم کرنا پڑتا ہے کہ وہ یا تو کلوروفل کی صلاحیت وکارکردگی کی کچھ سن گن پا چکے تھے یا پھر اس کو سمجھنے کی خاطر مختلف نظریات قایم کرنے لگے تھے۔ بہر حال مفسرین کرام نے اس لفظ کی تفسیر میں جو کچھ بھی تحریر کیا ہے اس کو استقرائی طور پر پانچ قسم کے نظریات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ بعض نے اس لفظ کی کوئی خاص تشریح نہیں کی ہے۔

۲۔ بعض نے کسی خاص چیز کا تعین کیے بغیر ایک سرسبز وشاداب مادہ مراد لیا ہے۔

۳۔ بعض نے اس سے شگوفے مراد لیے ہیں۔

۴۔ بعض نے اس سے شاخوں دار تنا مراد لیا ہے جو بیج سے اولین طور پر برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض نے شاخوں دار ڈالیاں مراد لی ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۵۔ اردو زبان کے مفسرین و مترجمین نے عموماً عام درخت اور کھیتیاں مراد لی ہیں۔

اب بالترتیب چند نمونے بھی ملاحظہ ہوں مثلاً تفسیر جلالین میں ہے:۔

(فاخرجنا منه) أی النبات شیئاً (خضراً) بمعنی أخضر (نخرج منه) من الخضر (حبّاً متراکباً)

(ترجمہ) (پس ہم نے نکالی اس سے) یعنی نبات سے ایک چیز (سبز) اخضر کے معنی میں (جس سے ہم نکالتے ہیں) یعنی سبز چیز سے (تہہ بتہہ دانے)

یہ ایک مختصر ترین تفسیر ہے جس میں نہ کوئی نظریہ ہے اور نہ کوئی خاص تشریح ہے۔ مگر ہاں نحوی وادبی حیثیت سے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر کی گئی ہے وہ سو فیصد صحیح ہے۔

تفسیر ابو سعود میں ہے:۔

(فاخرجنا منه خضراً) أی فأخرجنا من النبات الذی لا ساق له شیئاً غضاً أخضر۔ یقال شیٔ أخضر وخضر کأعور وعَوِر (نخرج منه) صفة لخضر أی نخرج من ذلک الخضر

ترجمہ:۔ (پس ہم نے نکالی اس سے ایک سبز چیز) یعنی ان نباتات سے جو بغیر تنے کے ہیں ایک سبز اور شاداب چیز نکالی۔ کسی چیز کی صفت کے لیے اخضر اور خَضِر دونوں الفاظ لائے جاتے ہیں جیسے اعْوَر اور عَوِر[1] بولے جاتے ہیں (ہم نکالتے ہیں اس سے) یہ خَضِر یعنی سبز چیز کی صفت ہے مطلب یہ کہ ہم غلے اس سبز چیز سے نکالتے ہیں۔

---

[1] یہ دونوں الفاظ اخضر اور خضر کے ہم وزن ہیں اور عربی زبان میں صیغوں کا اشتقاق عموماً مقررہ اوزان کے تحت اور باضابطہ ہوتا ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہاں پر "شیئاً غضّاً خضر" (ایک سرسبز اور شاداب چیز) کا فقرہ نہایت درجہ اہم ہے جو کلوروفل کی واضح خصوصیت ہے[1] اب پتہ نہیں مفسر موصوف کے نزدیک اس کا مصداق کیا تھا؟ اور ان کی معلومات کا ماخذ کیا! افسوس کہ یہ بھی ایک نہایت درجہ مختصر سی تفسیر ہے، جس کے باعث کوئی بھی نظریہ قائم کرنا دشوار ہے۔

اور اس موقع پر ایک غلطی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مفسر موصوف نے اس موقع پر "سرسبز و شاداب چیز" کو بیج جو بیلوں (بغیر تنے کے پودوں) تک محدود کر دیا ہے تو وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر قسم کے پیڑ پودوں پر یکساں طور پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے لفظ نبات کے مفہوم میں مختلف قسم کے پیڑ پودے، گھاس پات اور زمین سے برآمد ہونے والی ہر قسم کی روئیدگی داخل ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ "سبز و شاداب چیز" یا کلوروفل کو محض بے تنے والی بیلوں ہی تک محدود کر دیا جائے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر ابو سعودؒ نے آیت زیر بحث میں "نبات" کے تذکرے کے بعد فوراً ہی کھجور وغیرہ کے درختوں کے تذکرے کے پیش نظر اس کو ایک فلسفیانہ قسم کی تقسیم سمجھتے ہوئے "نبات" کو محض بیلوں پر محمول کر دیا ہو جیسا کہ اُن کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے

(فاخرجنا منه خضراً) شروع فی تفصیل ما أجمل من

---

[1] واضح رہے کہ یہ مادہ جب تک سرسبز و شاداب رہتا ہے کلوروفل کہلاتا ہے۔ مگر جیسے ہی وہ خشک ہو جاتا ہے "بے روح" بن جاتا ہے اور اس پر کلوروفل کا اطلاق نہیں ہوتا!



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



الاخراج وقد بُدی بتفصیل حال النجم ای فأخرجنا
من النبات الذی لاساق له شیئاً غضاً أخضر....
(ومن النخل) شروع فی تفصیل حال الشجر...[1]"

چنانچہ صاحب کشاف.... جو لغت وادب کے مُسلّم امام ہیں اپنی تفسیر میں
تحریر کرتے ہیں:-

(فاخرجنا به) بالماء (نبات کل شیٔ) نبات کل صنف من
أصناف النامی (فاخرجنا منه) من النبات (خضراً)
شیئاً غضاً أخضر (نخرج منه) من الخضر (حباً متراکباً)
وهو السنبل[2]

حاصل یہ کہ نبات کا اطلاق محض بے تنے کے پودوں یا بیلوں تک
محدود کردینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہر قسم کے بیڑ پودوں کے لیے بولا جاتا
ہے اور "سرسبز و شاداب چیز" ہر قسم کے نباتات سے نکلتی ہے۔

امام رازیؒ نے اس لفظ (خضر) کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے:-

والمراد من هذا الخضر العود الأخضر الذی یخرج اولاً
ویکون السنبل فی اعلاه۔ وقوله نخرج منه حباً متراکباً
یعنی یخرج من ذلک الخضر حباً متراکباً بعضه علی بعض
فی سنبلة واحدة[3]

---

[1] تفسیر ابو سعود بر حاشیہ تفسیر کبیر۔ طبع مصر
[2] تفسیر کشاف ج ۱ ص ۲۴۷ طبع مصر
[3] تفسیر کبیر ۴/۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ترجمہ:- یہاں پہ خضر سے مراد وہ سبز شاخ یا شگوفہ ہے جو پہلے پہل برآمد ہوتا ہے اور جس کے آخری سرے پر بالی یا گچھا ہوتا ہے اور ارشاد باری "ہم اس سے تہ بتہ دانے نکالتے ہیں" یہ معنی رکھتا ہے کہ کسی غلّے کے دانے جو ایک ہی بالی میں ایک دوسرے پر جمے ہوئے ہوتے ہیں اُسی سبز چیز سے نمودار ہوتے ہیں"۔

امام صاحبؒ نے اس موقع پر "خضر" سے وہ شگوفے مراد لیے ہیں جو غلّے کی بالیوں کے نیچے اور ان سے متصل ہوتے ہیں۔ یہ بیان واقعہ کے لحاظ سے خواہ صحیح ہو یا غلط مگر اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کے دور میں اس لفظ کو سمجھنے اور اس کی تحقیق و تدقیق کرنے کی کوشش شروع ہو چکی تھی۔

"خضر" سے مراد شاخوں دار تنا ہونے کا نظریہ تفسیر مظہری اور تفسیر المنار میں ملتا ہے۔

"وھو ما تشعب من أصل النبات الخارج من الحب" یعنی خضر سے مراد وہ شاخوں دار تنا ہے جو بیج سے برآمد ہوتا ہے[1]

"وھو ما تشعب من أصل النبات الخارج من الحب کساق النجم وأغصان الشجر. فخرج منہ أی من ھذا الأخضر المتشعب من النبات آنا بعد آن حبا متراکبا بعضہ فوق بعض وھو السنبل"[2]

ان دونوں اقوال میں فرق یہ ہے کہ صاحب مظہری قاضی محمد ثناء اللہؒ

---

[1] تفسیر مظہری ۳ / ۲۰۵

[2] تفسیر المنار ۷ / ۶۴۲



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے اس کا مصداق محض شاخوں دار تنا قرار دیا ہے۔ جبکہ صاحب المنار علامہ سید رشید رضاؒ نے اس کے مصداق میں شاخوں دار تنے کے علاوہ شاخوں دار ڈالیوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اب اس بات کا بالکل پتہ نہیں چلتا کہ اس نظریہ کا ماخذ کیا ہے اور یہ خیال کیوں کر پیدا ہوا؟ لہ

مگر اس موقع پر امام رازیؒ کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے اس کا مصداق بالیوں سے متصل شاخوں کو قرار دے کر اس کو بہت زیادہ قابلِ فہم بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مواد نشاسیہ (کاربوہائیڈریٹ) جو کسی پیڑ یا پودے میں پھیلی ہوئی مختلف اور بے شمار پتیوں میں تیار ہوتا ہے اور مختلف ڈالیوں سے گزرتا ہوا بالی سے ملی ہوئی شاخ میں داخل ہو کر بالی یا پھل میں جمع ہونے لگتا ہے۔ اور قسم ہا قسم کے غلے اور پھل وغیرہ سب کے سب اس کاربوہائیڈریٹ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جو انسان کی عبرت و بصیرت کے لیے بھیس بدل بدل کر کام و دہن کے لیے لذت و ذائقہ کا سامان فراہم کرتا ہے۔

بہرحال دیگر تفاسیر میں بھی مذکورہ بالا اقوال ہی میں سے کوئی نہ قول

---

لہ مفسرین کے ان مختلف اقوال کے جاننے سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ کسی لفظ کا مفہوم اپنی فہم و بصیرت کے مطابق بلا تکلف بیان کر دیتے تھے بلا لحاظ کیے کہ یہ مفہوم سابقہ مفسرین کے خلاف پڑتا ہے یا نہیں! مگر موجودہ دور میں حال یہ ہے کہ سابق مفسرین کے اقوال سے ذرا سے اختلاف پر بھی ایک طوفان برپا کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ جدید تفسیر اصولی حیثیت سے کتنی ہی درست کیوں نہ ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ملتا ہے اور سب انہی باتوں کو دہراتے چلے گئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ علامہ طنطاوی جوہری مصریؒ نے بھی اس لفظ کی کوئی خاص تشریح نہیں کی ہے جو زمانۂ حال کے ایک نامور مفسر قرار دیئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم سائنس میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ اور جن کی تفسیر بعض حلقوں میں سائنسی علوم و افکار کے اعتبار سے تفسیر کبیر کا نقش ثانی اور ایک شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس باب میں انہوں نے بھی بجز مفسرین کے اقوال کو دہرا دینے سے کوئی خاص تحقیق نہیں کی ہے۔ حتیٰ کہ الفاظ تک نہیں بدلے گئے ہیں۔

(فاخرجنا منه) من النبات (خضراً) شيئاً أخضر (نخرج منه) من الخضر (حبًّا متراكبًا) وهو السنبل[1]

اب بلا تبصرہ اردو مفسرین و مترجمین کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

"اور (دیکھو) وہی ہے، جو آسمان سے (یعنی بلندی سے) پانی برساتا ہے۔ پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں۔ اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہو جاتے ہیں۔"[2]

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ ہر قسم کی نباتات اُگائی۔ پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے"[3]

---

[1] الجواہر فی تفسیر القرآن، ج ۴ ص ۸۱

[2] ترجمان القرآن، ج ۱ ص ۳۷۴

[3] تفہیم القرآن، ج ۱ ص ۵۶۷



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا۔ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے چڑھے دانے نکالتے ہیں۔"[1]

"اور اس نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا۔"[2]

**چند جدید تفسیری اصول** ضمناً یہاں پر ایک بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ مفسرین کرام کے مذکورۂ بالا مختلف اقوال کے ملاحظہ سے اس بے غبار حقیقت پر بخوبی روشنی پڑ جاتی ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ میں لفظ "خضر" کی جو بھی تشریح و تفسیر کی ہے۔ وہ کسی منقولی روایت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ذاتی غور و فکر اور ذاتی تفکر و تدبر کی بنا پر ہے۔ مفسرین کرام کی اس روش سے ہم کو بہت سے قیمتی اصول مل جاتے ہیں۔ جن کی روشنی میں ہم مزید تحقیقات کے لیے اقدامات کر سکتے ہیں۔

۱۔ جہاں پر کوئی منقولی تفسیر موجود نہ ہو وہاں پر اصول صحیحہ کے تحت کوئی نیا مفہوم لیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اس صورت میں قدیم مفسرین کے اقوال سے ہٹنا ناجائز نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ خود مفسرین کے مذکورۂ بالا مختلف اقوال سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے پیش رو اور سابق مفسرین کے اقوال سے ہٹ کر کوئی

---

[1] تفسیر ماجدی، ص ۳۰۴۔ مطبوعہ لاہور

[2] ترجمہ از شیخ الہند ؒ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نہ کوئی نیا قول اختیار کرکے اپنے مابعد والوں کیلئے بھی ایک مثال قائم کردی ہے ظاہر ہے کہ جب خود مفسرین ہی نے اس کی راہ دکھائی ہے تو پھر اب یہ چیز ناجائز نہیں قرار دی جاسکتی۔

۳۔ اصول صحیحہ اور ثابت شدہ حقائق و معارف کے تحت جو تفسیر کی جائے گی وہ "تفسیر بالرائے" نہیں ہوگی۔ ورنہ پھر خود بہت سے مفسرین پر بھی یہ الزام عائد ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی ایک مفسر کے قول یا رائے سے ہٹنا اگر ناجائز یا تفسیر بالرائے ہوتا تو پھر مفسرین کے درمیان کسی قسم کا اختلاف ہی پیدا نہ ہوتا۔ اور سب کے سب کسی ایک ہی قول پر متفق ہوجاتے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

۴۔ اب گفتگو جو کچھ بھی ہوگی وہ اصول صحیحہ کے حدود اور اس کے مبادی کے تعین میں ہوگی۔ نہ کہ اصول بالا کے حق یا ناحق ہونے میں۔

۵۔ اس قسم کے اختلافات زیادہ تر نئے نئے علوم و افکار کی تحقیق و تدوین اور ترویج و اشاعت کی بنا پر پیش آتے ہیں۔

۶۔ یہ اختلافات زیادہ تر ان ہی آیات کریمہ میں پیش آتے ہیں جو مظاہر کائنات سے متعلق ہوتی ہے۔ اور کائناتی علوم سے متعلق تحقیقات و انکشافات کی بدولت اس قسم کی آیات میں اختلاف رائے ایک ناگزیر چیز ہے اور زیر بحث کلور وفل والی آیت بھی اسی قسم کی ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگ عام طور پر قدمائے مفسرین کے تفسیری اقوال کو بڑی وقعت ملکہ ایک طرح کے تقدس کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خواہ وہ غیر منقول یا اپنے ذاتی غور و فکر اور کد و کاوش کا ہی نتیجہ کیوں نہ ہوں۔ مگر اس کے برعکس کسی نئی تفسیر پر اعتراضات کرنے لگ جاتے ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خواہ وہ اصولی اعتبار سے کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہوں۔ یہ عقلی جمود اور قلتِ فکر کا نتیجہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ سائنسی علوم جب تک ارتقائی منازل سے گزرتے رہیں گے۔ اُن آیات کی تفسیر میں بھی ارتقا ہوتا رہے گا۔ جو کائنات کے نظریات اور اس کے فلسفے سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس سے نہ تو کسی قدیم مفسر کی تنقیص ہوتی ہے اور نہ جدید مفسر کی تعریف۔ بلکہ ہر مفسر دراصل اپنے ہی دور کی معلومات اور اس کے ذہن و فکر کا پابند ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تصور ہی غلط ہے کہ قدیم مفسرین نے قرآن حکیم کو ٹھیک طریقے سے نہیں سمجھا ہے جیسا کہ کوتاہ بینوں کا ادعاء ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں ہر دور کے تقاضے کے مطابق ہدایت ورہنمائی کی صلاحیت موجود ہے۔ خواہ کسی دور میں شعر و شاعری اور ادبیات کا غلبہ رہا ہے یا کبھی عقلیات اور سائنس وغیرہ کا اس میں ہر قسم کے ذہن و دماغ کے مطابق دلیل واستدلال اور حجت و برہان کا پورا پورا سامان ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے کلورو فل وغیرہ قسم کے جدید انکشافات کا اظہار زمانۂ قدیم میں نامناسب بھی تھا اور غیر موزوں بھی۔ اگرچہ یہ چیز اس کے خزانۂ عامرہ میں بطور پیش بندی پہلے سے موجود تھی۔ تاکہ عصرِ جدید کے تقاضے کے مطابق اس کی بھرپور رہنمائی ہو سکے اور موجودہ بے مہار "عقلیت" (RATIONALISM) کے مُنہ میں لگام ڈالی جا سکے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس قسم کی آیات میں کوئی بھی مفسر اپنی رائے یا تفسیر کو حرفِ آخر قرار نہیں دے سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مستقبل کا مفسر اس میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کچھ نہ کچھ ترمیم کر ڈالے یا کسی مفہوم کو سرے سے غلط قرار دے دے جیسا کہ خضر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال کے جائزے سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ایسے تمام مواقع پر قرآن کریم پر کوئی حرف آنے کے بجائے مفسرین کا اپنا ہی قصور فہم لازم آتا ہے کہ یہ کتاب برحق ایسے بلند اور اعلیٰ ترین حقائق پر مشتمل ہے کہ عقل انسانی ان حقائق عالیہ کا کلی ادراک کر ہی نہیں سکتی اور ہمیشہ عاجز و درماندہ رہے گی۔ لہٰذا آج کل یہ جو کہا جاتا ہے کہ سائنس کے بدلتے ہوئے نظریات کو بنیاد بنا کر کتاب اللہ کی تفسیر نہیں کرنی چاہیے۔ مبادا یہ نظریات مستقبل میں داستان ماضی قرار دے دیے جائیں تو یہ ایک موہوم ساخدشہ اور بے جا بیش بینی بلکہ حقائق و واقعات سے گریز و فرار اور سہل انگاری ہے ہم تو اپنے ہی دور کے حالات و وقائع کے مطابق کتاب اللہ میں غور و خوض کے پابند ہیں نہ کہ مستقبل کے حالات و واقعات کے۔ اس طرح کی حد بندیوں سے ہم قیامت تک کسی بھی آیت کی تفسیر نہیں کر سکتے اور نہ کسی منکر و معاند کے خلاف اتمامِ حجت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایک منکر بھی قطعی دلائل تک کو یہ کہہ کر رد کر سکتا ہے کہ شاید مستقبل میں ان میں بھی کچھ ترمیم ہو جائے۔ اس قسم کی بے جا دور اندیشی کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہم یا تو نظریۂ کائنات سے متعلق آیاتِ قرآنی کی تفسیر کرنا ہی چھوڑ دیں یا پھر علوم و مسائل کی گہرائیوں میں جانے کے بجائے "ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف" کے بمصداق "کنارے کنارے" ہی رہنے کی کوشش کرتے رہیں۔ مگر اس صورت میں ہم بادِ مخالف کے ایک جھونکے کو بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ پہلے باب میں یہ بحث تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ تبدیلی زیادہ تر ان ہی افکار و نظریات میں ہوتی ہے۔ جن کی حیثیت تجربہ واختیار کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



رُو سے ثابت شدہ یا مسلمہ حقیقت کی نہیں بلکہ محض نظریاتی قسم کی ہوتی ہے اس کے برعکس کلوروفل کی حیثیت کسی نظریہ کی نہیں بلکہ ثابت شدہ حقیقت کی ہے۔ اور کسی سائنس لیبورٹری میں ہر شخص اس کا مشاہدہ و تجربہ کر کے بذاتِ خود اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ کلوروفل یا نباتات کا "سبز رنگ" اور اس کی کارکردگی ایک قانونِ فطرت یا قانونِ خداوندی ہے جس میں تغیر و تبدل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نباتات جو کلوروفل کے حامل ہیں۔ مستقبل میں سرخ یا سیاہ بن جائیں یا ہرے رنگ کا ذرّہ (CHLOROPLAST) کاربوہائیڈریٹ کی تیاری کا فعل ترک کر دے۔ یا بجائے کاربوہائیڈریٹ جیسے میٹھے اور خوشگوار مادہ کے کوئی کڑوا کسیلا مادہ تیار کرنے لگ جائے۔ یا کاربن ڈائی آکسائیڈ کی بجائے آکسیجن جذب کرنے اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرنے لگ جائے۔ یا زائد پانی کا اخراج بجائے پتیوں کے جڑوں کی سمت سے ہونے لگ جائے یا پھول کے بجائے کھل پہلے نمودار ہونے لگ جائیں یا پانی اور کاربوہائیڈریٹ کی آمد و رفت کا نظام خلط ملط ہو جائے۔ آخر ان میں سے کون سی ایسی حقیقت ہے جس کے مستقبل میں تبدیل ہو جانے کا امکان ہو؟ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قوانینِ فطرت کیا ہیں اور ان میں تبدیلی کا امکان کتنا ہے! ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حقائق سے متعلق کوئی ضمنی انکشاف سامنے آجائے۔ مثلاً کاربوہائیڈریٹ یا پروٹین وغیرہ کی ساخت و پرداخت کے متعلق کوئی نیا نظریہ سامنے آجائے۔ یا غذائیت میں موجود شدہ کوئی نیا وٹامن دریافت ہو جائے[1] یا کلوروفل کی صلاحیت و

---

[1] اب تک تیرہ قسم کے وٹامن دریافت ہو چکے ہیں جو ہماری صحت کے لیے بہت ضروری ہیں (ہمدرد صحت جولائی ۱۹۶۱ء)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کارکردگی پر کچھ مزید روشنی پڑ جائے۔

بہر حال یہ نہیں ہو سکتا کہ مستقبل کی سائنس موجودہ تمام حقائق کو کلی طور پر مسترد کر دے۔ اور اگر بفرض محال ایسا ہو بھی جائے تو اس سے جیسا کہ عرض کیا جا چکا۔ قرآن پر حرف آنے کے بجائے مفسر کے فہم پر حرف آتا ہے۔ بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس سے در اصل علوم سائنس ہی کا قصور لازم آتا ہے۔ گویا کہ قرآنِ حکیم کو کلی وحتمی طور پر نہ سمجھ سکنے کا الزام مجموعی اعتبار سے پورے عالم انسانی اور اُس کے کُل علوم پر عائد ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی علوم اور اس کی ترقیاں جیسے جیسے بڑھتی جائیں گی قرآنِ حکیم کے حیرت انگیز ابہامات بھی بتدریج واضح اور روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ مگر کوئی بھی حقیقت ۔ جس کو علمی صداقت کہا جا سکے۔ ایسی دریافت نہیں ہو سکتی جو اس کے بیانات یا مندرجات سے متصادم ہو یا ان کو غلط ثابت کرنے والی ہو۔ چودہ سو سال کی پوری تاریخ میں اس قسم کی کوئی ایک مثال بھی سامنے نہیں آسکی ہے اور نہ مستقبل میں کبھی آسکتی ہے[۱]۔ ظاہر ہے کہ ایسا حیرت انگیز کلام اور ایسے لازوال کلیات وہی وضع کر سکتا ہے جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل پر ہر ہر حیثیت سے محیط ہو اور جس کی نظروں سے

---

[۱] وانہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید ؛ یقیناً یہ ایک غالب و برتر (کبھی مغلوب نہ ہونے والی) کتاب ہے جس میں باطل نہ آگے سے در آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے جگہ پا سکتا ہے (کیونکہ) یہ کتاب ایک بہت ہی دانشمند اور خوبیوں والے (رب) کی جانب سے اتاری گئی ہے (لہٰذا وہ خوبیوں سے مملو ہے) (حم سجدہ: ۴۱-۴۲)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دنیا کا کوئی بھی واقعہ پوشیدہ نہ ہو۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس عالم رنگ وبو کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس کی مکمل سہ طرفی بیان کرنے سے پوری دنیائے سائنس جس طرح عاجز و بے بس ہے اسی طرح اس بلند و برتر کلام کی مکمل تشریح و تفسیر بے کم وکاست بیان کر دینے سے تمام مفسرین بھی قیامت تک عاجز و درماندہ رہیں گے۔

اس جائزہ سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ عالم رنگ و بو اور یہ کلام برحق دونوں ایک ہی سرچشمہ کے دو پرتو ہیں جن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا کارے دارد ہے۔ ان دونوں کے حقائق و معارف کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ قرآن اور کائنات کا ہر انکشاف انسان کے عجز و انکسار اور اس کے جہل ہی کو ظاہر کرتا ہے اور اس کا علم و عرفان ایک مقررہ حد سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر بالفرض ہم اپنی کوتاہ فہمی کے باعث کسی لفظ یا کسی آیت کی غلط تفسیر کر جائیں اور وہ مستقبل کی تحقیقات کا مقابلہ نہ کر سکے تو اس کو مستقبل کا مفسر درست کرے گا جس طرح کہ ہم قدمائے مفسرین کی بعض غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس بارے میں خواہ مخواہ پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو تو صرف اصول صحیحہ کا لحاظ رکھنا چاہیے اور بس۔

**کلوروفل کی مزید توضیح**

اوپر کی بحث ضمناً آ گئی۔ بہرحال آیت زیر بحث کی میں نے جو بھی تشریح و تفسیر کی ہے وہ صحیح اصول و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے طویل غور و خوض کے بعد کی ہے۔ خلاف اصول یا بے بنیاد



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



طور پر کوئی بات بیان کرنے سے قطعاً احتراز کیا ہے۔
اس آیت کریمہ کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لیے بہتر ہو گا کہ کلوروفل کی مزید وضاحت کی جائے۔ چنانچہ یہ بات اولین طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کسی بھی بیڑ پودے کی پتیاں جو بظاہر سبز اور ہری نظر آتی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ایک پتی پوری طرح سبز رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ بلکہ ہر پتی میں چند ایسے ذرات ہوتے ہیں جو سبز رنگ کے حامل ہوتے ہیں اور پتی کا بقیہ حصہ بے رنگ رہتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر ایک پتی سینکڑوں ہزاروں چھوٹے چھوٹے خوردبینی خلیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک خلیہ (CELL) کو نخزمایہ (PROTOPLASM) کی ایک اکائی (UNIT) کہا جاتا ہے۔ جس کے اندر ایک زندہ، متحرک اور مسلسل تغیر پذیر مادہ بھرا رہتا ہے۔ یہ تمام خلیے ایک دوسرے سے الگ الگ اور باہم مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر خلیے کے چاروں طرف سیلولوز کا ایک دیوار نما پردہ حائل رہتا ہے۔ خلیوں کی ساخت اور حبابت کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل شکلیں ملاحظہ ہوں۔ جو علم نباتات (BOTANY) کی مختلف کتابوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔

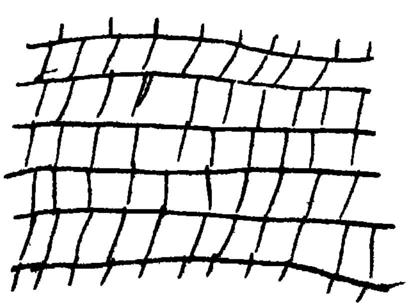

کارک کے خلیے

کارک



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس شکل میں داہنی جانب ایک کارک[1] دکھایا گیا ہے اور بائیں جانب چند خانے۔ یہ خانے دراصل اس کارک کے خلیے (CELLS) ہیں جو اس کو آڑا کاٹ کر خوردبین کی مدد سے ایک سو گنا بڑا کر کے دکھائی گئے ہیں۔ یہ خلیے کسی وقت زندہ تھے، مگر اب مُردہ ہیں۔ اب آپ کو خلیوں کی ساخت اور ان کی جسامت کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کارک کے خلیے پہلی بار ایک انگریز رابرٹ ہک (ROBERT HOOK) نے ۱۶۶۷ء میں ایک خوردبین کی مدد سے دیکھے تھے[2]

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تمام نباتات تقریباً اس قسم کے خلیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جڑ، تنا، ڈالیاں، شاخیں، پتیاں، پھول اور پھل وغیرہ غرض نباتات کا ہر ہر حصہ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے خانوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

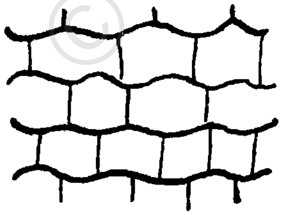

یہ پیاز کے ایک چھلکے کے خلیے ہیں جو خوردبین کی مدد سے بہت بڑے کر کے دکھائے گئے ہیں۔

---

[1] کارک شاہ بلوط کے درخت کی چھال سے نکلتا ہے۔ جو بوتلوں کے منہ بند کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

[2] A SCHOOL COURSE OF BIOLOGY, P, 134 LONDON 1945



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس شکل میں ایک پودے کی پتی کی نچلی سطح کو خوردبین کی مدد سے بہت بڑی بنا کر دکھایا گیا ہے۔ اس میں متعدد خلیے نظر آتے ہیں جن میں کچھ مسامات بھی نظر آرہے ہیں۔ انہی مسامات کو دہن یا STOMETA کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ بیرونی ہوا کی کاربن ڈائی آکسائڈ پتی کے اندر آتی ہے اور زائد پانی خارج ہو جاتا ہے۔

خلیوں کی شکل و صورت سے متعلق اس اجمالی علم کے حصول کے بعد آئیے اب ان کی اندرونی ساخت و پرداخت کا بھی کچھ مطالعہ کرلیں۔

ہر ایک خانہ ( SELL ) دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے

۱۔ سائیٹوپلازم (CYTOPLASM)

۲۔ مرکزہ (NUCLEUS)

ان دونوں میں مرکزہ کی حیثیت بہت اہم ہے۔ اس میں زندگی کی تمام سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ خلیہ میں سائیٹوپلازم اور مرکزہ کے علاوہ کچھ خالی جگہیں بھی ہوتی ہیں۔ جن کو خالیہ یا VACUOLE کہا جاتا ہے۔ ان تینوں کی وضاحت حسب ذیل شکلوں سے ہوسکتی ہے۔



© rasailojaraid.com